فراز کی رجائیت: ایک مطالعہ

گوہر رحمان پی ایچ ڈی ریسرچ
سکالر اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور
پروفیسر اظہار اللہ اظہار
اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

Abstract:

Ahmad faraz is a renowned poet of Urdu literature not only in Pakistan but all over the world. His poetry is full of revolution and romanticism. He criticized the feudalism and marshal laws authorities in his poetry. He gives the message of optimism (peace and hope) to his readers. In this article the writer's discuses about his hope and peace message.

Key Words: feudalism, Capitalism , romanticism, revolution, Ahmad faraz, Urdu literature, marshal laws, Optimism

انگریزی ادب کے معروف شاعر شیلے نے کہا تھا

The pleasure that is in sorrow is sweeter than the pleasure of pleasure itself.(1)

عالمی ادب میں انگریزی کے علاوہ بھی دیگر زبانوں کے ادب میں رجائیت کے جملہ عناصر پورے سیاق وسباق کے ساتھ ملتے ہیں لیکن اسے ہماری اردو شاعری کی روایت یا کسی حد تک کو تاہ نصیبی ہی کہہ لیجیے کہ اس میں حزن وملال کی ایسی دبیز تہہ جمی نظر آتی ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود اس میں آس وامید کی کار فرمائی کم ملتی ہے اور تقریباہر شاعر کے ہاں غم واندوہ کی ایسی گراں بار فضا ملتی ہے کہ سنگ دل سے سنگ دل انسان کی آنکھیں بھی بے اختیار پر نم ہو جاتی ہیں۔

میر، درد، سودا اور دبستان دلی کے اکثر شعرا کے علاوہ انیس ودبیر کے مرثیے بھی یاس وناامیدی کی زندہ مثالیں ہیں خصوصا میر تقی میر اس قافلہ آہ وبکا کے میر کارواں ٹھہرتے ہیں انھوں نے یہ کہہ کر اپنے غم کو ماحول کے غم سے ہم آہنگ کرا کے اسے دو آتشہ بنا دیا

یار وئے یار لائے اپنی تو یونہی گزری
کیا ذکر ہم صغیراں یاران شادماں کا

یہاں رجائیت کا مفہوم واضح کرنے سے پہلے قنوطیت ،یاسیت اور مایوسی جو تقریبا ہم معنی الفاظ ہیں کی تھوڑی سی وضاحت ضروری ہے

قنوطیت رجائیت کی ضد ہے جس کے لغوی معنی ہیں

"زندگی کا تاریک پہلو دیکھنا، انگریزی لفظ pessimism کا ترجمہ ہے۔(2)

جو شخص زندگی کا تاریک پہلو دیکھتا ہے اسے قنوطی کہا جاتا ہے۔ مشہور مزاح نگار مشتاق احمد یوسفی قنوطی کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں

"قنوطی سے ایسا شخص مراد ہے جس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالٰی نے آنکھیں رونے کے لیے دی ہیں"(3)

رجائیت اس کے بالکل برعکس ہے، یہ امید و بیم کا مترادف ہے شعر و ادب کے حوالے سے ابوالاعجاز حفیظ صدیقی اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں

"جہاں تک شعر و ادب کا تعلق ہے اشیا و واقعات کا روشن پہلو دیکھنا اور مستقبل کے بارے میں پر امید نقطہ نظر رکھنا رجائیت کہلاتا ہے اور ایسے شخص کو جس کے افکار میں رجائیت ہو، رجائی کہا جاتا ہے"(4)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اردو شاعری عرصہ دراز تک قنوطیت کے حصار میں رہی، میر و مرزا سے لے کر فانی بدایونی تک کی شاعری پر یہ سیہ بادل چھائے ہوئے تھے ان حالات میں اگرچہ اقبال اور حسرت کی توانا آوازوں نے اس ٹھہرے ہوئے پانی میں اچھا خاصا ارتعاش ضرور پیدا کیا لیکن تقسیم نے ایک بار پھر دل اور دلی کی تباہی و بربادی کی یاد تازہ کر دی۔ منٹو، کرشن چندر، قاسمی اور قدرت اللہ شہاب نے افسانوی ادب میں اور ناصر کاظمی، فیض، انشا اور کئی ترقی پسند شعرا نے فسادات سے پیدا ہونے والے انسانی المیوں کو شعریت کی تلخیوں میں گھول کر اس تاریخی المیے کو ابدیت عطا کر دی

اسی دوران رومانیت اور ترقی پسندی کے سنگم سے حدیث دل کی نزاکتوں اور داخلی احساسات کی لطافتوں کی ایک پر جوش صدا بلند ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی بازگشت برصغیر کے طول و عرض میں سنائی دینے لگی

فراز کی آمد سے نہ صرف دبے کچلے اور مظلوم طبقے کا عزم و حوصلہ بڑھا بلکہ انھوں نے پہلی دفعہ محسوس کیا کہ ان کا کوئی اپنا اور انتہائی قریبی ساتھی خلوص دل سے ان کی ترجمانی کے لیے اٹھا ہے

فراز کی شاعری کئی حوالوں سے اپنے پڑھنے والوں کو رفعت تخیل سے آشنا کراتی ہے، دل کے تاروں کو چھو لینے والی رومانیت، کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دینے والی جرات رندانہ، انقلاب آفریں ترقی پسندی، امیر شہر کی نام نہاد حکومت کی چولیں ہلا دینے والی گرمئ گفتار اور غاصب و جابر حکمرانوں کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کرنے اور اپنے پسے ہوئے ہم جنسوں کے حق میں قلم کی تقدیس کے ترانے، دیوانوں کو تو کیا اچھے بھلے مصلحت کیش فرزانوں کو بھی سعی و عمل پر آمادہ کر کے علم انقلاب اٹھانے پر اکساتی ہیں۔

میاں عبدالستار بجا فرماتے ہیں

"احمد فراز کی شاعری صرف منزل نہیں دکھاتی بلکہ منزل تک لے جانے والی راہ بھی دکھاتی ہے، یہ انسان کو تشنہ نہیں چھوڑتی بلکہ سیر اب کر دیتی ہے، یہ انسانی زندگی کیے صرف ایک پہلو کو روشن نہیں کرتی بلکہ پوری زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہے، یہ تصویر کا حسن ہی نہیں دکھاتی بلکہ اس کا بھیانک رخ بھی سامنے لے آتی ہے"۔(5)

فراز کی رجائیت عام طور پر نقادوں اور شارحین فراز کی نظروں سے پوشیدہ رہی ہے۔ پتہ نہیں کیوں لیکن سب نے ان کے ہاں رومانیت، ترقی پسندی، غم جاناں اور غم دوراں کو تلاش کرنا ضروری سمجھا اور ان کے بیاض شعر میں انہی عناصر کو ثابت کرنے میں زور بیان صرف کیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کی شاعری میں زیادہ تر انہی رجحانات کی واضح ترجمانی نظر آتی ہے لیکن کیا اس بے چہرہ سماج میں جہاں فریب عصر کی شدت اتنی زیادہ ہے کہ سمندروں تک میں رنگ سراب اترتا دکھائی دیتا ہے، کیا فراز کی شاعری صرف مذکورہ عناصر کی بنا پر اپنی افادیت ثابت کراتی ہے یا ان کے علاوہ اس میں اور بھی کچھ ہے؟

اس میں فکر وخیال اور نوع انسانی کے کئی اور مسائل کا ادراک اور حل موجود ہے۔ جہاں تک فراز کی رجائیت کا تعلق ہے تو ان کے ہاں مجہول قسم کی رجائیت نہیں ملتی جس میں عمل کی بجائے ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو کر حالات کی کسی مساعد کروٹ کا انتظار کیا جاتا ہے بلکہ ان کے ہاں تو وہ فعال رجائیت ملتی ہے جو ہر وقت گرم دم جستجو رہ کر روشن کل کے لانے کی آس لگائے ہوتی ہے اور قدم قدم پر ناکامیوں کے باوجود کسی بھی صورت میں حالات کے ساتھ سمجھوتا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی

کب تک فگار دل کو تو آنکھوں کو نم کریں
آؤ حدیث قاتل وبسمل رقم کریں
زخموں سے چور جسم بنائیں نشان راہ
جو ہاتھ کٹ چکے ہیں انہیں کو علم کریں(6)

فراز کو سرفراز کرانے میں ان کی اس جدوجہد کو کلیدی حیثیت حاصل ہے جب انھوں نے غاصب اور سطوت شمشیر کی گھمنڈ میں مبتلا حکمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق وسچ کا بول بالا کرنے کی کوشش کی اور مایوسیوں میں گری اور غم واندوہ کی ماری کراہتی اور تڑپتی قوم کو زبان عطا کی وہ سبک ساران شہر حرف کی ریشہ دوانیوں سے گھبرائے نہ مصلحت کی چالوں سے اعتبار پانے والے فتوہ فروشوں اور فتنہ پردازوں کے آگے سر تسلیم خم کیا بلکہ اس دھرتی اور اس کے باسیوں سے اپنی فطری اور جذباتی وابستگی کا دم آخری وقت تک بھرتے رہے۔ ان کی معرکہ آرا نظم "معاصرہ میں حکومت وقت کا سارا جبر، مصاحب دربار کے معمولی اشارے پر گداگران سخن کا جوق در جوق چلے آنا، دراصل اس فکر انگیز المیے کی غمازی کرتا ہے جب حالات کا مقابلہ کرنے کی سکت اور ہمت جواب دے جاتی ہے تو سارے کشیدہ سر دار ورسن کے سپرد ہو کر ہمیشہ کے لیے فنا ہو جاتے ہیں۔ لیکن فراز کی بیم ورجا ان حالات میں بھی مات کھاتی ہے نہ شکست خوردہ نظر آتی ہے، وہ قلم کی پاسداری کا اعلان یوں کرتے ہیں

یہ شرط نامہ جو دیکھا تو ایلچی سے کہا

اسے خبر نہیں تاریخ کیا سکھاتی ہے
کہ رات جب کسی خورشید کو شہید کرے
تو صبح اک نیا سورج تراش لاتی ہے
سو یہ جواب ہے میرا مرے عدو کے لیے

کہ مجھ کر حرص کرم ہے نہ خوف خمیازہ
اسے ہے سطوت شمشیر پہ گھمنڈ بہت
اسے شکوہ قلم کا نہیں ہے اندازہ(7)

اسی طرح درد آشوب کی ایک نظم " نگار گل ؛فیض کی نظمّ دو عشق " کی طرح دہری معنویت رکھتی ہے اور شاعر درماندہ اپنی شکست وریخت کے باوجود قنوطیت کی گراں بار فضا میں بھی نگار گل سے مخاطب ہو کر اس سے اپنی لازوال وابستگی پر مہر ثبت کر دیتا ہے

گزر گئی جو گزرنی تھی سخت جانوں پر
پھر آج تیری جفاؤں کا کیا شمار کریں
الم گزیدہ سہی پیرہن دریدہ سہی
مگر لبوں پہ غم دل نہ آشکار کریں
یہی اصول رہا ہے وفا پرستوں کا
ہر ایک حال میں توصیف حسن یار کریں
جبیں سے دھو کے ہر اک نقش نامرادی کا
نگار گل ترے جلوؤں کا انتظار کریں(8)

محبوب ظفر نے فراز کی نظموں کے اس وصف پر یوں روشنی ڈالی ہے

ّفراز کی نظمیں انہی خوابوں اور تعبیروں سے عبارت ہیں جو زندگی کو جہد مسلسل، امن، محبت اور انسانیت کی راہ پر چلاتے ہیں۔ یہ صرف خوابوں کے شاعر نہیں بلکہ عملی طور پر بھی زندگی کے نامساعد حالات سے نبرد آزما رہتے ہیں اور ستم کے آگے علم جہاد بلند کرتے ہیں۔ فراز کی نظمیں زبان وبیان کے شہہ پارے ہیں، پہاڑی ندیوں کی طرح پر جوش، برق رفتار اور گنگناتی گاتی ہوئی نہ ٹھہریں نہ امید کا دامن ہاتھ سے چھوڑیں، ہر لحظہ پر اعتماد اور پر امید زندگی کی دلکشی کی آئینہ دار "(9)

فراز نے شاعری کو موضوعی ومعروضی سطح پر ایک جہان نو سے متعارف کرایا، ان سے پہلے بھی شاعری میں بغاوت اور انقلاب، غریب شہر کے زندہ باد اور فقیہ شہر سے نفرت کے مضامین ملتے ہیں لیکن انھوں نے ان پامال موضوعات کو نئے ذائقوں سے آشنا کرایا اور تہذیبی انتشار اور عصری بحران کو روشن مستقبل کا سنہرا اور پہلا پیراہن عطا کر کے ان تلخیوں کو گوارا کرنے کا گر بتا دیا

نظمّ "گل شدہ شمعوں کا ماتم نہ کرو" میں وہ جرات اظہار کو ہی اس حبس زدہ ماحول کی گراں بار فضا کے خاتمے کا واحد وسیلہ قرار دیتے ہیں

ہونٹ سل جائیں مگر جرات اظہار رہے
دل کی آواز کو مدھم نہ کرو دیوانو!
ڈھل چکی رات تو اب کہر بھی چھٹ جائے گی

اب بھی امید کی لو کم نہ کرو دیوانو!
آندھیاں آیا ہی کرتی ہیں ہر اک حبس کے بعد
گل شدہ شمعوں کا ماتم نہ کرو دیوانو!(10)

جس طرح فیض اپنی نظمّ "صبح آزادی" کے آخر میں اپنے ہم وطنوں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں کہ

نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی(11)

اسی طرح احمد فراز کا عزم قوی اور غیور ارادے بھی انہیں منزل مراد تک پہنچنے کا حوصلہ فراہم کرتے ہیں
اس کے متعلق ثاقب رزمی ایک مضمونّ "احمد فراز اور غم دوراں" میں رقم طراز ہیں

ّفراز صبح آزادی کے طلوع سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ قنوطیت کا شکار ہونا اس کے مسلک کے منافی ہے، وہ کس یقین کے ساتھ کہتا ہے

ڈھل چکی رات تو اب کہر بھی چھٹ جائے گی
اب بھی امید کی لو کم نہ کرو دیوانو!

وہ ظلم و ستم کی یورش سے ہار نہیں مانتا بلکہ وہ آزادی کے راستے پر گامزن ہونے والوں کے لیے اس مشق ستم کو لا ابدی سمجھتا ہے اس لیے وہ ہر حالت میں منزل کی جانب رواں دواں رہنے کا قائل ہے کیونکہ ستم زدگی منزل پر پہنچنے کی شرط ہےّ(12)

بعض شعرا جذبات کی رو میں بہہ کر لفظ و معانی کا ستیاناس کر دیتے ہیں اور بعض جدید تراکیب اور صنعتوں کی تلاش میں معنویت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں لیکن فراز نے ترکیب سازی میں کسی تساہل سے کام لیا نہ فکری پسماندگی دور کرنے کے لیے علامات اور غیر مانوس الفاظ کے منت بار رہے۔ وہ حرمت لفظ کی تقدیس کا پاسدار ہے۔ ان کے امید و بیم کی اختراع کی ہوئی شعری دنیا مضبوط بنیادوں اور ٹھوس حقائق پر استوار ہے اس لیے گردش ایام اور انقلابات زمانہ اس میں تغیر لانے میں ناکام ہیں۔

نظمّ "غنیم سے" کے یہ دو بند فراز کی آس و امید اور آمد بہار کے تابندہ ثبوت ہیں

تجھے مان جوش و گرز پر

مرا حرف حق مری ڈھال ہے
ترا جور و ظلم بلا سہی
مرا حوصلہ بھی کمال ہے
میں اسی قبیلے کا فرد ہوں
جسے ناز صدق و یقیں پہ ہے
یہی نامہ بر ہے بہار کا

جو گلاب میری جبیں پہ ہے (13)

انقلاب آفریں اور ہمہ گیر پیغام کی حامل نظموں کے علاوہ فراز نے اپنی دلربا غزلوں میں بھی امید و بیم سے بھرپور شعر کہے ہیں۔ جن میں امیر شہر کی ریشہ دوانیوں اور اہل حرف کے ثنا گروں پر طنز کے نشتر برسانے کے ساتھ محبوب کے ملنے اور مشیت کے سنورنے کی امید دکھائی دیتی ہے صبح، کل، شاید، منزل، اجالا، عزم، یقین، ستارہ، چاند، سورج وغیرہ جیسے عام الفاظ ان کے شعری کائنات میں بکثرت ملتے ہیں جن کو وہ خاص بنا کر رجائیت کی ایسی خوشنما نیلی جھلیں بناتے ہیں جن کا تصور بڑا سنہرا اور روپہلا ہے

جو بھی بچھڑے وہ کب ملے ہیں فراز
پھر بھی تو انتظار کر شاید(14)
لٹ چکے عشق میں اک بار تو پھر عشق کرو
کس کو معلوم کہ تقدیر سنور بھی جائے
شہر جاناں سے پرے بھی کئی دنیائیں ہیں
ہے کوئی ایسا مسافر جو ادھر بھی جائے(15)
میں تو ذرہ تھا مگر اے مرے خورشید خرام
تو مجھے روند گیا ہے تو ستارہ ہوا ہوں (16)

چونکہ ظلم و تعدی کے بادل ابھی چھٹے نہیں ہیں اس لیے فراز تنہا تنہا اپنا اور اپنی قوم کا درد آشوب لے کر اس نابینا شہر کی بے آواز گلی کوچوں میں اپنے عشق جنوں پیشہ کے سہارے جاناں جاناں کی صدائیں لگاتا ہے نایافتگی اور خواب گل کی پریشانی کے باوجود ان کا عزم مسلسل انھیں آگے بڑھاتا ہے ایسا صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو ہر اس فنا نہیں ہوتا اور یہی چیز ایک تخلیق کو ہر دم جواں اور جاوداں بنا دیتی ہے

اپنے ہم جنسوں کی بدحالی پہ کڑھنے کے بعد وہ ان کے شکستہ پروں کو طاقت پرواز عطا کرنے اور انہیں قدامت کے تمام بت مسمار کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ دور حاضر میں جنگ کی تباہ کاریوں اور دہشت گردی کی تاریکیوں کا علاج بھی وہ قلم کی ستارہ سازی سے کرانے کے لیے پر امید ہیں اور یوں ایک ترقی پسند شاعر اپنی آدرش کے مطابق اپنی رجائیت کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے

ہمیں کو توڑنے ہوں گے صنم قدامت کے
ہمیں کو اب نیا انسان ڈھالنا ہو گا
ہمیں کو اپنے قلم کی ستارہ سازی سے
ہر ایک خطہ تیرہ اجالنا ہو گا
ہمیں کو امن کے گیتوں کے میٹھے بولو سے
مہیب جنگ کی آندھی کو ٹالنا ہو گا(17)

فراز کی شاعری اور اس کی معنوی تفہیم کی ضرورت جتنی آج ہے اتنی کبھی نہ تھی، دریدہ پیرہنوں کی مصیبتیں اور امیران شہر کی ضرورتیں اور بڑھ گئی ہیں۔ لوٹ کھسوٹ کی اس دھکم پھیل اور فکری افلاس میں جب حکمران خود شریک جرم بن کر اداروں کی لٹیا ڈبونے پر تلے ہوئے ہوں تو اس طرح کی صورتحال میں فراز کا شعر امید و بیم اور رجائیت کی سند ہے اور وہ سوہنی دھرتی کا باسیوں کے لیے چراغ آخر شب ہے۔

حوالہ جات

(1) Percy Bysshe Shelley ,The banquet, 1908 ,page 43

(2) وارث سرہندی، علمی اور دولغت، علمی کتاب خانہ لاہور، ۲۰۰۵، ص:۱۰۸۶

(3) مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے، مکتبہ دانیال لاہور، ۲۰۱۰، ص:۱۰۵

(4) ابو الاثر حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، طبع دوم ستمبر ۱۹۸۵، ص:۸۶

(5) دیکھو توبیاض شعر میری، مشمولہ ماہ نو احمد فراز نمبر، ڈائریکٹوریٹ آف فلمز اینڈ پبلی کیشنز لاہور، جنوری ۲۰۰۹، ص:۲۴۸

(6) احمد فراز، بے آواز گلی کوچوں میں، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۶، ص:۳۱۔ ۳۲

(7) احمد فراز، بے آواز گلی کوچوں میں، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۶، ص:۱۱۸

(8) احمد فراز، درد آشوب، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۱۰، ص:۹۹

(9) محبوب ظفر، احمد فراز شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اشاعت دوم، ۲۰۱۶، ص:۹۱

(10) احمد فراز، درد آشوب، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۶، ص:۱۰۱

(11) فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، مکتبہ کاروان لاہور، س ن، ص:۱۱۸

(12) مشمولہ جریدہ احمد فراز نمبر، مکتبہ ارژنگ پشاور، ۱۹۹۴، ص:۹۳

(13) احمد فراز، خواب گل پریشاں ہے، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد ۲۰۰۶ ، ص:۶۸ ۔۶۹

(14) احمد فراز، درد آشوب، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۱۰، ص:۱۱۲

(15) احمد فراز، خواب گل پریشاں ہے، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۶، ص:۱۴۱

(16) احمد فراز، اے عشق جنوں پیشہ، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۷، ص:۱۵۰

(17) احمد فراز، درد آشوب، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد، ۲۰۰۶، ص:۱۸۰